© rasailojaraid.com

تدوین حدیث

(۴)

محاسبہ چہارم

(حضرات مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی صدر شعبہ دینیات جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن)

دہی کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نغم دہاں (فرماتے ہوئے ان الفاظ کو دہرایا کہ

لاینبغی لی ان اقول فی ذلک الاحقا — میرے لئے جائز نہیں ہے کہ اس حال میں (یعنی بحالت غضب بھی نہ کہوں مگر حق ہی۔ مسند احمد ج ۲ ص ۲۰۷

جیسا کہ میں عرض کر چکا ہوں کہ معلومات کے حفظ و نگہداشت اور ان پر اعتماد کے لئے خواہ مخواہ نہ سوچنے والوں نے کتابت کے طریقہ کو غیر معمولی جو اہمیت دے رکھی ہے اس کے مقابلہ میں زبانی یاد کرنے کے طریقہ کو اس سلسلہ میں بے قیمت ٹھہرانے پر غل مچایا جا رہا ہے۔ یہ دونوں ناسمجھی کی باتیں ہیں۔ علم کی حفاظت کے یہ دونوں قدرتی ذرائع ہیں مگر ذریعہ اعتماد کے لئے ذمہ داریوں کو ان لوگوں پر عائد کرنا ہے جو اس سے کام لینا چاہتے ہیں اور ان ذمہ داریوں کی تکمیل خود بخود آدمی کی فطرت کو اعتماد پر مجبور کر دیتی ہے اور جیسے یہ انسانی فطرت کا ایک طبعی قانون ہے اسی طرح ان ذمہ داریوں سے لاپروا ہر حال میں اشتباہ اور بدگمانیوں کی گنجائش پیدا کر دیتی ہے۔ خواہ کتابت کے ذریعہ کو اختیار کیا جائے، یا زبانی یادداشت کے طریقے کو، تاہم عصر حاضر کے نابالغ عقول کے تقاضوں کی تسکین کا ایک ذریعہ حضرت عبداللہ بن عمرو کی یہ کتاب بھی بن گئی ہے آج کل

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے متکلمین اسلام نے اس سے فائدہ اٹھایا ہے، کچھ بھی ہو ایک پہلو نفع کا اس واقعہ میں یہ بھی نکل آیا ہے، بلکہ میں تو سمجھتا ہوں کہ بعض کتابوں مثلاً مستدرک حاکم اور البغوی کی کتاب میں یہ روایت جو پائی جاتی ہے کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں کا لکھا ہوا ایک مجموعہ تھا جس کے متعلق وہ بیان کرتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ پیش کی ہوئی کتاب ہے۔ اس روایت کا میں ذکر کر چکا ہوں، ہو سکتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرو کی اسی اجازت کو دیکھ کر حضرت انس کے دل میں بھی ان کی ریس کا جذبہ پیدا ہوا ہو بہرحال حضرت انس کے حالات میں لکھا ہے کہ دس سال کی عمر میں ان کی والدہ ام سلیم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مبارک میں یہ کہتے ہوئے پیش کیا تھا کہ

ھذا ابنی وھو غلام کاتب — یہ میرا لڑکا ہے اور ایسا لڑکا ہے جو کاتب ہے

صہ ابن سعد ج، ق ا — یعنی لکھنے سے واقف ہے۔

حضرت انس چوں کہ آخر وقت تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہے، خود فرماتے تھے نو سال تک حضور کی خدمت میں رہا گویا وہ اور عبداللہ بن عمرو بن عاص ہمجولی تھے۔ لکھنا بھی آتا ہی تھا، اور پھر بارگاہِ نبوت میں رسوخ کا حال یہ تھا کہ ایسا اوقات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کو یا بنی (میرے بیٹے) کے لفظ سے پکارتے تھے، ایسے چہیتے خادم کی بات کا ٹال دینا اور وہ بھی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی با مروت طبیعت سے آسان نہ تھا، میں سمجھتا ہوں کہ یہی وجہ ہے ان کو بھی حدیثوں کے قلم بند کرنے کی اجازت مل گئی کیونکہ ایک دو آدمی کے لکھنے سے ظاہر ہے کہ عمومیت کا وہ رنگ کیسے پیدا ہو سکتا تھا، جو قرآن کے صحیفوں کی عام اشاعت سے پیدا ہو چکا تھا، کچھ ایسا خیال بھی ہوتا ہے کہ گو حضرت انس بچپن ہی سے لکھنا جانتے تھے اور کاتب ہو چکے تھے۔ مگر ظاہر ہے کہاں عبداللہ بن عمرو کی مہارت و حذاقت، بھلا جس شخص نے عربی چھوڑ سریانی اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عبرانی خطوط اور زبان کو بھی سیکھ لیا ہو ان کا مقابلہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کیا کر سکتے تھے کہ حضرت انس جو یہ کہتے تھے کہ میں نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اس نسخہ کو پیش بھی کر لیا تھا اس کی وجہ یہی معلوم ہوتی ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ان کو غالباً مشورہ دیا ہوگا کہ جو کچھ تم نے لکھا ہے مجھے سنا بھی دو، عبداللہ بن عمرو کے نسخے کے متعلق پیش کرنے کا ذکر کسی روایت میں نہیں آیا ہے، شاید ان کی تحریری حذاقت پر اعتماد تھا اور ان پر اعتماد نہ کیا جاتا تو کس پر کیا جاتا، آئندہ یعنی عہد نبوت کے بعد ان دونوں کتابوں کی حیثیت کیا رہی اس تفصیل کا ذکر انشاء اللہ اپنے مقام پر کیا جائے گا، اس وقت تو عہد نبوت تک کے واقعات کا صرف ذکر مقصود ہے۔

بہر حال عام حدیثوں کے متعلق "لچک دار رویہ" کی مذکورہ بالا حکمت عملی یعنی جو پانا چاہیں ان تک پہنچ بھی جائے لیکن اس طور پر نہ پہنچے کہ ان حدیثوں کے مطالبات کی قوت عمومی راہ سے منتقل ہونے والے دینی عناصر کے برابر ہو جائے انتہائی نزاکتوں کے ساتھ اس حکمت عملی کی نگرانی کرتے ہوئے ایک خاص حال میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ان حدیثوں کو چھوڑ کر دنیا سے تشریف لے گئے جو آج خبر احاد کی شکلوں میں پائی جاتی ہیں گویا سمجھنا چاہئے کہ علاوہ ان خطوط، معاہدے نامے، یا مختلف اقوام و افراد کے نام ہدایت نامے یا صدقات وغیرہ کے تحریری ضابطے جن کے چند نسخوں کا اب تک پتہ چلا ہے یا حجۃ الوداع کے خطبہ کو ابو شاہ یمنی کے لئے لکھوا کر عطا فرمانے کا جو حکم دیا گیا تھا جن کا تفصیلی ذکر کر چکا ہوں ان متفرق چیزوں کے سوا حدیث کی یہی دو کتابیں (یعنی عبداللہ بن عمرو بن عاص والا نسخہ اور دوسری کتاب حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ والی ان دو کتابوں کے سوا اب تک اس کا کوئی ثبوت نہیں ملا ہے کہ واقعہ تحریق (جلانے) کے بعد صحابۂ کرام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں آپ کی حدیثوں کو کتابی شکل دی ہو، یا ان کو قلمبند کیا ہو، ممکن ہے کہ ڈھونڈنے والوں کو آئندہ شاید اس سلسلہ میں کوئی اور نئی چیز

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہاتھ آئے۔ کچھ بھی ہو حدیثوں کے ان انفرادی نسخوں سے وہ حکمت عملی متاثر نہیں ہو سکتی تھی جو اپنی عام حدیثوں کے متعلق آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اختیار فرمائی تھی جیسے ان مکتوبہ خطوط و معاہدات وغیرہ میں بھی محض قلم بند ہو جانے کی وجہ سے وہ کیفیت نہ پیدا ہوئی اور نہ پیدا ہو سکتی تھی جو مثلاً قرآن میں پیدا ہو چکی تھی، کیونکہ عمومیت یا استفاضہ عام، شہرت بین الانام کا تعلق کتابت سے نہیں بلکہ تعدد و کثرت سے ہے، ایک خط اگر لکھا گیا تو ظاہر ہے کہ وہ ایک ہی خط کی شکل میں رہ گیا بھلا وہ قرآن کے ان نسخوں کا کیا مقابلہ کر سکتا تھا جو گھر گھر میں پھیلا ہوا تھا مشہور حدیث جس میں بیان کیا گیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن فرما رہے تھے کہ مسلمانوں سے آخر یہ علم اٹھ جائے گا، یعنی پیغمبر سے جو جدید علم مسلمانوں کو میسر آیا ہے اس کا چرچا باقی نہ رہے گا، کہتے ہیں کہ ایک صحابی جن کا نام زیاد بن لبید انصاری تھا، انھوں نے عرض کیا کہ اب یہ علم کیسے مٹ سکتا ہے قرآن کی اشاعت جس وسیع پیمانے پر اس وقت تک ہو چکی تھی اس کا ذکر کرتے ہوئے زیاد نے اس وقت عرض کیا تھا کہ

کیف یُرفَعُ العلم منا وبین اظہرنا کتاب اللہ وقد تعلمنا ما فیہ وعلمناہ ونسائنا وذراریّنا وخدمنا (۲۰۰)

مجمع الزوائد ج۱

ہم لوگوں میں سے علم کیسے اٹھ جائے گا۔ حالانکہ ہمارے درمیان اللہ کی کتاب موجود ہے اس کتاب میں جو کچھ ہے اسے ہم نے خود سیکھا ہے اور اپنی عورتوں اور اپنے بچوں کو اپنے خادموں کو سکھایا ہے۔

الفاظ کے تھوڑے رد و بدل سے ترمذی وغیرہ صحاح کی کتابوں میں بھی یہ روایت پائی جاتی ہے۔ غور کرنے کی بات ہے کہ عورتوں، بچوں، حتیٰ کہ خادم و ملازمین تک کو اس زمانے میں جب یہ کتاب پڑھائی جا چکی تھی تو اس عمومیت واستفاضہ کا مقابلہ بھلا وہ مکتوبہ سرمائے کیا کر سکتے تھے جو اکے دکے گنتی کے چند آدمیوں کے پاس موجود تھے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سچی بات تو یہ ہے کہ دین کے جس حصہ کی تبلیغ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عمومی رنگ میں فرمائی تھی، جس کی بدولت آئندہ ہر زمانہ میں ان کی حیثیت ان امور کی ہو گئی جن کا علم تواتر و توارث و تعامل کی شکل میں اس وقت تک منتقل ہوتا ہوا مسلمانوں کی اگلی نسلوں سے پچھلی نسلوں تک پہنچ رہا ہے اسلامی دین کے ان قطعی اور یقینی عناصر و اجزا کے متعلق علم و یقین کی جو کیفیت خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دیکھنے والے صحابیوں کی تھی۔ قطعاً یہی کیفیت اس علم کی بھی ہے جو ان ہی امور کے متعلق مسلمانوں کی آئندہ نسلوں میں پایا جاتا ہے۔ کیونکہ یہ ایک مسلمہ بات ہے کہ تواتر کی راہ سے پیدا ہونے والے علم میں اور وہ علم جو مشاہدے سے حاصل ہوتا ہے دونوں میں قطعیت اور یقین کے لحاظ سے کسی قسم کا فرق نہیں ہوتا، میں پوچھتا ہوں جن لوگوں نے مثلاً لندن کو دیکھا ہے اور اس شہر کے متعلق مشاہدے سے نے جس یقین کو پیدا کیا ہے اس یقین میں اور ان لوگوں کے یقین میں جنہوں نے لندن کو خود نہیں دیکھا ہے مگر تواتر کی راہ سے اس بات کا یقین ان میں پیدا ہوا ہے کہ دنیا کے شہروں میں ایک شہر لندن بھی ہے اس حد تک یعنی لندن کا وجود یقینی ہے، کیا ان دونوں یقینوں میں کسی قسم کا فرق پیدا کیا جا سکتا ہے؟ بلا شبہ جن لوگوں نے لندن کو نہیں دیکھا ہے محض اس لئے ان کے یقین میں شک اور احتمال اسی قسم کا شک اور احتمال ہوگا جیسے ان لوگوں کے متعلق جو لندن جا چکے ہیں وہاں رہ چکے ہیں ان کے متعلق شبہ پیدا کرنے والا یہ شبہ پیدا کرے کہ انھوں نے جو کچھ دیکھا سب خواب کی حالت میں دیکھا تھا۔ یا آنکھ کا دھوکہ تھا جو لندن کی شکل میں ان کے سامنے آیا تھا واقع میں کچھ نہ تھا، ظاہر ہے کہ اس قسم کے احتمالات وہی لوگ پیدا کر سکتے ہیں جن کی عقل کسی بیماری کی وجہ سے اپنے فطری حدود سے ہٹ گئی ہو۔ فخر الاسلام بزدوی نے اسی لئے شریعت کے اس حصہ کا تذکرہ کرتے ہوئے جو تواتر کی راہ سے مسلمانوں میں منتقل ہوتا ہوا چلا آ رہا ہے، یہ الفاظ لکھے ہیں کہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حتی صار کالمعائن المسموع ص۳۶ ج ۲

ان کی حالت ایسی ہے جیسے خود کسی معائنہ کی ہوئی یا براہ راست سنی ہوئی شی کی ہوسکتی ہے

ان کا دعوی ہے کہ یہ حال صرف قرآن ہی کا نہیں ہے بلکہ قرآن کے ساتھ انھوں نے اسی راہ سے منتقل ہونے والی بہت سی چیزوں کو گنواتے ہوئے اپنے مافی الضمیر کو ان الفاظ میں ادا کیا ہے۔

مثل نقل القرآن والصلوات الخمس واعداد الرکعات ومقادیر الزکوۃ وما اشبہ ذلک ص۳۶ ج ۲

جیسے قرآن کے منتقل ہونے کا حال ہے اور یہی حال پانچوں وقتوں کی نمازوں کا، نمازوں کی رکعتوں کا، زکوۃ کی مقررہ مقداروں کا اور ان ساری چیزوں کا ہے جو اسی راہ سے منتقل ہوتی چلی آرہی ہیں۔

جس کا مطلب یہی ہوا کہ صحابہ جو عہد نبوت میں موجود تھے، شریعت کے اس حصہ کے متعلق ان کے یقین کی جو نوعیت تھی، یہی نوعیت اس یقین کی مسلسل باقی رہی ہے اسی لئے ان امور کے لحاظ سے سارے مسلمان برابر ہیں خواہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تھے، یا اس کے بعد پیدا ہوئے، علامہ ابوزید دبوسی نے بھی اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے تقویم میں لکھا ہے۔

وحتی ارتفعت الشبہۃ فصار المتصل منہ بک کالحاسۃ سمعتہ (کشف ص۳۶۲ ج۲)

(تواتر کی وجہ سے) جب شبہ باقی نہ رہا تو اس راہ سے جتنی چیزیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منتقل ہو کر تم تک پہنچی ہیں ان کی حالت ایسی ہوگئی کہ براہ راست اپنے کان سے تم نے ان کو سنا ہو۔

اسی طرح صاحب مسلم کے ان الفاظ کے تحت یعنی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ان التواتر لیس من مباحث علم الاسناد

تواتر کا تعلق ان مباحث سے نہیں ہے جن میں روایت کی سند سے بحث کی جاتی ہے

حضرت مولانا عبدالعلی بحر العلوم نے بھی لکھا ہے کہ

بل التواتر کالمشاہدۃ فی افادۃ العلم فواتح الرحموت ج ۲ مطبوعہ مصر ص ۱۱۱

یقین آفرینی میں تواتر کا حال وہی ہے جو حال مشاہدہ کا اس سلسلہ میں ہے۔

پھر مولانا نے ایک دلچسپ مثال سے اس کو سمجھانا چاہا ہے یعنی بخاری میں بعض روایتوں کو ثلاثیاتِ بخاری کہتے ہیں، یہ ان روایتوں کا نام ہے جن میں امام بخاری اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان کل تین آدمی کا واسطہ واقع ہوتا ہے مولانا بحر العلوم نے ان ہی ثلاثیات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ بخاری کے بعد تو ان کی کتاب متواتر ہو گئی اس نے بخاری کے بعد آئندہ صحیح بخاری کے ان سارے ثلاثیات کی حیثیت ہر مسلمان کے لئے رباعیات کی ہو گئی ہے، مولانا کے اپنے الفاظ یہ ہیں۔

ومن ثمہ کان ثلاثیات البخاری رباعیات لنا لان صحیحہ متواتر عنہ فکانا سمعنا من البخاری فلم یزد الا واسطۃ وھی نفسہ فواتح ص ۱۱۹ ج ۲

اسی بنیاد پر سمجھنا چاہئے کہ بخاری کے ثلاثیات (یعنی تین واسطوں والی روایتیں) ہمارے لئے رباعیات کی حیثیت رکھتی ہیں (یعنی چار واسطوں والی روایتوں کی حیثیت ان کی ہو گئی) وجہ یہ ہے کہ امام بخاری کی کتاب (صحیح بخاری) امام بخاری کے لحاظ سے تو متواترہ ہو چکی ہے پس گویا یہ سمجھنا چاہئے کہ ہم نے اس کتاب کو براہ راست امام بخاری ہی سے سنا ہے اس لئے (ثلاثیات) کے متعلق صرف ایک ہی واسطہ کا تو اضافہ ہوا، یعنی خود امام بخاری کی ذات

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نے چوتھے واسطے کی حیثیت اختیار کرلی۔

بہرحال شروع ہی سے اس کا باضابطہ نظم کردیا گیا تھا کہ دین کے ایک حصہ کی حیثیت تو ایسی ہوجائے جس کے علم میں قیامت تک پیدا ہونے والے مسلمانوں کے اعتماد کا حال قدرتی طور پر ایک ہوجائے۔ قرآن اور ایسی ساری چیزیں جو اسی راہ سے مسلمانوں میں پیغمبر کے زمانے سے چلی آرہی ہیں۔ جس رنگ میں قرآن منتقل ہوتا چلا آرہا ہے ان کی بھی کیفیت ہے، پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم دین کے اس حصہ کو اسی حال میں چھوڑ کر رفیق اعلیٰ کی طرف تشریف لے گئے اور بحمد اللہ اس وقت تک دین کا یہ حصہ اسی رنگ میں مسلمانوں میں منتقل ہوتا چلا آرہا ہے، آئندہ بھی خدا سے امید ہے کہ اس کی اس کیفیت کی حفاظت فرماتا رہے گا۔ دین کے اس حصہ کے علم ویقین میں اشتباہ واضمحلال کے پیدا ہونے کی وہی صورت باقی رہ گئی ہے کہ خدانخواستہ مسلمانوں کو تاریخ کے آئندہ زمانہ میں محکومیت کی کسی ایسی ملعون کیفیت میں اپنے کرتوتوں کے بدولت مبتلا ہونا پڑے، جیسے یہود وغیرہ گزشتہ ملعون قوموں کے ساتھ یہ صورت پیش آئی کہ غیر قوموں کو ان پر مسلط کیا گیا اور یہ تسلط اتنا سخت تھا کہ اپنے دین کے نام لینے کی بھی اجازت محکومیت کی حالت میں ان کو نہیں دی جاتی تھی، ان کی کتابیں غایب ہوگئیں، ان کے علماء چن چن کر قتل کردیئے گئے، کوشش کی گئی کہ آئندہ ان کی پیدا ہونے والی نسلوں کے کان میں دین موسیٰ اور اس کی کسی بات کی کوئی بھنک بھی ان کے کانوں میں نہ پڑنے پائے، صدیاں اسی حال پر گذر گئیں جو جاننے تھے وہ مرگئے، اور جو زندہ رہے انھیں کچھ خبر نہ تھی کہ ان کے آباء واجداد کا کوئی دین بھی تھا یا اللہ کے کسی برگزیدہ رسول کی وہ بھی امت ہیں ان کے رسول کی . . . . ، بھی کوئی کتاب تھی؟ یہودیوں کی تاریخ کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس قسم کے واقعات سے ان کو تاریخ کے طویل ادوار میں دوچار ہونا پڑا۔ ظاہر ہے کہ یہ ایسی جگر خراش روح فرسا شکل حق تعالیٰ کے عتاب کی ہے کہ خدا کے غضب کی اس آگ میں جو کچھ بھی نہ جل جائے اس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پر متعجب نہ ہونا چاہئے، تاہم بیچارے یہودیوں کو جب کبھی سر اٹھانے کا موقعہ ملا دھر ادھر سے ڈھونڈھ ڈھانڈھ کر پھر اپنے گم شدہ دین کو کسی راہ سے جیسا کہ ان کا خیال ہے پالینے میں وہ کامیاب ہوئے ہیں لیکن پھر بھی درمیان میں ایسی تاریکیوں میں ان کو گھرنا پڑا ہے کہ مشکل ہی سے یہ کہا جا سکتا ہے جو دین ان کے پاس اس وقت جس شکل میں پایا جاتا ہے وہ واقعی حضرت موسیٰ علیہ السلام کا دیا ہوا اور پہنچایا ہوا دین ہے۔

برخلاف اس کے مسلمانوں کے دین کی ابتدا ہی سلطنت سے ہوئی اور گو پچھلی چند صدیوں سے دنیا کی سیاسی امامت کی باگ ان کے ہاتھ سے نکل گئی ہے لیکن دین کی حد تک بحمد اللہ کوئی ایسا واقعہ ان کے ساتھ اب تک پیش نہیں آیا ہے کہ درمیان میں صدی دو صدی تو بڑی بات ہے گھنٹے دو گھنٹے کے لئے بھی اس دین سے وہ جدا نہیں ہوئے ہیں جسے وراثت میں ان کے پچھلے اگلوں سے پاتے چلے آرہے ہیں، اگرچہ حالات بد سے بدتر ہوتے چلے جا رہے ہیں اور مہیب خطرات آنکھیں دکھا رہے ہیں لیکن اس کے ساتھ اس واقعہ کو بھی نظر انداز نہ کرنا چاہئے کہ گذشتہ زمانے کے معلومات کی حفاظت کے اتنے بے شمار اسباب و ذرائع قدرتی طور پر اس عہد میں پیدا ہو چکے ہیں اور پریس و طباعت وغیرہ کے رواج کی بدولت ایک ایسی حالت پیدا ہو گئی ہے کہ اس زمانہ میں معمولی چیزوں کا مٹانا بھی آسان نہیں ہے۔ پھر اسلامی بینات جو اس وقت دنیا کے اکثر حصے کے کروڑہا کروڑ باشندوں میں کتابی و عملی شکل میں پھیلے ہوئے ہیں ان کے یقین میں اضمحلال پیدا کرنے کی کوشش بظاہر مشکل ہی سے کامیاب ہو سکتی ہے کچھ اس کا خیال بھی آتا ہے کہ "اسلام کی محمدی شکل" جب انسانی زندگی کے اس دستور العمل کی جس پر پیدا کرنے والا اپنے بندوں کو چلانا چاہتا ہے اس کی جب یہ آخری شکل ہے تو ارحم الراحمین کی رحمت سے یہ بعید ہے کہ نہ چلنے والے باغیوں کی وجہ سے دین پر چلنے کی راہ ان لوگوں کے لئے بھی بند کر دے گا۔ جو بہر حال اسی راہ پر چلتے ہوئے جینا اور مرنا چاہتے ہیں، امید تو اسی کی ہے کہ ان کے لئے سچے دین پر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

چلنے کا امکان بہر حال باقی رکھا جائے گا جیسا کہ عرض کیا گیا گرچہ حالت ناگفتہ بہ حدود تک بگڑتے ہوتے پہنچ چکی ہے جس کے بدلنے کے لئے دوسری عام تدبیروں کے ساتھ زیادہ ضرورت اس کی ہے کہ خود مسلمان دین پر چلنے کے جذبہ کو نئے سرے سے زندہ کریں، ورنہ قدرت ہی کا ایک قانون ہے کہ طلب کسی چیز کی جب باقی نہیں رہتی تو رسد بھی بند کر دی جاتی ہے پچھلے دنوں کے سارے جاں گداز حالات سچ پوچھئے تو ان کے ذکر سے بھی شرم آتی ہے لیکن واقعہ کا اظہار کیسے نہ کروں کہ بہ نسبت دوسروں کے یہ حال زیادہ تر اکتا جانے کی اسی کیفیت سے پیدا ہوا ہے جو دین کے متعلق خود مسلمانوں میں شعوری یا غیر شعوری طور پر بدقسمتی سے پیدا ہو گیا ہے اور آہ! کہ اس وقت تک بجائے گھٹنے کے عملی طور[۱] پر اس کیفیت میں کمی تو کیا پیدا ہوتی، بظاہر شدت ہی پیدا ہوتی چلی جا رہی ہے۔

خیر میں کدھر نکل گیا، آئندہ کیا ہونے والا ہے، علیم و خبیر ہی اسے جان سکتا ہے اور اس وقت مستقبل کے متعلق مجھے کچھ لکھنا بھی نہیں ہے بلکہ اس وقت تک جن حالات سے گذرتے ہوئے موجودہ نسلوں تک دین پہنچا ہے میری بحث کا دائرہ اسی حد تک محدود ہے عرض یہ کر رہا تھا کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم امت میں دین کو جس حال میں چھوڑ کر تشریف

۱؎ "عملی طور پر" کا اضافہ میں نے جس لئے کیا ہے، ہر مسلمان جو اپنے حال سے واقف ہے غالباً اس اضافہ کی ضرورت تسلیم کرے گا بعض علاقوں میں جہاں غیر قوموں سے مسلمانوں کو کشمکش کرنے کی ضرورت پیش آگئی ہے، وہاں دیکھا جا رہا ہے کہ دین کی طرف واپسی کا چرچا زبانوں پر کچھ دنوں سے ذرا زیادہ چڑھ گیا ہے، لیکن جس سے معاملہ ہے کاش! بجائے "سمیع و علیم" ہونے کے وہ صرف "سمیع" ہی ہوتا تو امید کی جا سکتی تھی کہ صرف سنا کر اس کو منا لینے میں ہم کامیاب ہو جائیں گے لیکن سننے کے ساتھ وہ دیکھتا بھی ہے اور ہر چیز جس حال میں ہے اس کو جانتا بھی ہے اس کے سامنے اس قسم کے چرچے اس کے سوا اور کچھ نہیں ہیں کہ ہم اپنے آپ کو دھوکہ دے رہے ہیں۔ ربنا تب علینا وارحمنا ولا تسلط علینا من لم یرحمنا ربنا ولا تجعلنا فتنة للقوم الظالمین ۱۲

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لے گئے تھے۔ اس وقت ایک حصہ کی حالت تو وہی تھی جسے تبلیغِ عام کی راہ سے ایک ایسا قالب عطا کر دیا گیا تھا کہ اس کی بافت میں اگلوں پچھلوں کی حالت کا ایک ہو جانا ناگزیر تھا۔ بحمد اللہ کہ ہزار سال کے بعد بھی چند صدیاں گذر چکی ہیں، اس وقت تک دین کا یہ حصہ اسی حال میں موجود ہے۔ اور دوسرا حصہ دین ہی کا تھا جس کے متعلق اگلوں اور پچھلوں کو تو کیا برابر کیا جاتا، خود عہد نبوت میں جو موجود تھے ان لوگوں میں بھی اس کی اشاعت عمومی شکل میں اسی لئے نہیں کی گئی تھی کہ اس میں قصداً وارادۃً اس رنگ کو چاہا جاتا تھا کہ نہ پیدا ہو، جو دین کے پہلے حصہ میں اور اس حصہ کے مطالبہ میں یا اس کی خلاف ورزی کرنے والوں کے لئے پیدا کیا گیا تھا۔

جس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے ہیں دین کا یہ ثانی الذکر حصہ کچھ تو مذکورہ بالا کتابی شکل میں افراد کے پاس تھا لیکن جیسا کہ عرض کیا گیا اس کی تعداد بہت محدود تھی اور زیادہ تر یہ ان لوگوں کے سینوں میں محفوظ تھا جن کے دل و دماغ کی تربیت دنیا کے سب سے بڑے معلم اخلاق صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبتِ طیبہ میں ہوئی تھی اور جن واقعات کے تجربے و مشاہدہ کا موقعہ صحبتِ نبوت میں ان کو ملا تھا ان ہی کا تذکرہ دوسروں سے وہ کرتے تھے بعض لکھنے والوں نے تو یہاں تک لکھ دیا ہے کہ دین کا یہ حصہ جن لوگوں میں پھیلا کر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے تشریف لے گئے تھے۔ ان کی تعداد ایک لاکھ سے اوپر تھی، اصابہ میں علی بن ابی زرعہ الرازی کے حوالہ سے یہ مشہور قول منقول ہے کہ

توفی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ومن	وفات پا گئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس
راٰہ وسمع منہ زیادۃ علی مائۃ	حال میں کہ جن لوگوں نے آپ کو دیکھا تھا اور آپ
الف انسان من رجل وامرءۃ	سے آپ کی باتیں سنی تھیں ان کی تعداد ایک لاکھ
کلھم قد روی عنہ سماعاً[1]	انسانوں سے زیادہ تھی جن میں مرد بھی تھے اور
	عورتیں بھی تھیں یہ ایک لاکھ سے زیادہ تعداد والی

[1] اوس روایۃ ج ۲ صفحہ اصابہ

[1] لیکن الخطیب نے خود ابو زرعہ رازی سے اپنی متصل سند کے ساتھ اس قول کو جو نقل کیا ہے اس میں بجائے (بقیہ حاشیہ بر صفحہ آئندہ)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جماعت وہ ہے جس نے سن کر یا دیکھ کر آپ
سے ان میں ہر ایک سے نے روایت کی ہے۔

لیکن اس سلسلہ میں جن بزرگوں کے معلومات حدیث کی کتابوں میں جمع ہو سکے ہیں یا اس وقت جن کے معلومات تک رسائی ممکن ہے غالباً ان کی تعداد کی طرف اشارہ کرتے ہوئے الحاکم نے لکھا ہے کہ

قال من روى عنه صلی اللہ علیہ وسلم	آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابہ کی جماعت
من الصحابة اربعة الاف رجل	میں روایت کرنے والوں کی تعداد چار ہزار ہے
وامرأة منهم	جن میں مرد بھی ہیں اور عورتیں بھی۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) ایک لاکھ سے ایک لاکھ چودہ ہزار ان صحابیوں کی تعداد بتائی گئی ہے جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی گفتار یا رفتار کے متعلق کسی قسم کا علم لوگوں تک پہنچایا ہے۔ ابو زرعہ سے پوچھا بھی گیا تھا کہ اتنی بڑی تعداد ان صحابیوں کی کیسے ہو سکتی ہے۔ آخر اتنے آدمیوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں کیسے سنیں اور آپ کو کہاں دیکھا اس کے جواب میں ابو زرعہ نے کہا کہ مدینہ والے مکے والے اور ان دو شہروں کے بیچ میں جو لوگ آباد تھے اسی طرح عام اعراب وصحرا کے باشندے جو خدمت مبارک میں حاضر ہوتے رہتے تھے۔ نیز حجۃ الوداع میں آپ کے ساتھ جو شریک تھے اور عرفات کے میدان میں جن لوگوں نے آپ کی باتیں سنیں یا آپ کو کچھ کرتے دیکھا (دیکھو تدریب الراوی ص۲۰۶) اسی کتاب میں سیوطی نے رافعی کا قول نقل کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت ساٹھ ہزار مسلمان آپ کے بعد عرب میں موجود تھے جن میں تیس ہزار مدینہ میں اور تیس ہزار مختلف عربی قبائل میں پھیلے ہوئے تھے مگر خود اس تخمینہ کی وجہ معلوم نہیں ہوئی۔ بخاری کی اس روایت کا لوگ اکثر تذکرہ کرتے ہیں جس میں کعب بن مالک جن کے ساتھ تبوک کی مہم میں پیچھے رہ جانے کی وجہ سے بڑا قصہ پیش آیا، وہ اپنا قصہ بیان کرتے ہوئے کہتے کہ لوگوں کی اتنی کثرت تھی کہ ایک دیوان (دفتر) میں ان کے نام کا احاطہ نہیں کیا گیا تھا یا نہیں کیا جا سکتا تھا یعنی فرمایا کہ واصحاب رسول اللہ کثیر لا یجمعہم کتاب حافظ یعنی الدیوان یہ حضرت کعب کے اصلی الفاظ ہیں لیکن اس سے بھی کوئی خاص بات معلوم نہیں ہوتی۔ سیوطی وغیرہ نے لکھا ہے کہ صحابہ کے حالات پر اب تک جتنی کتابیں لکھی گئی ہیں ان میں دس ہزار سے زیادہ تعداد نہیں پائی جاتی حالاں کہ لکھنے والوں
(بقیہ حاشیہ بر صفحہ آئندہ)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روپوشی یعنی وفات کے بعد دین کا یہی حال تھا اس کے بعد کیا ہوا؟ اب کچھ قصہ اس کا سنیئے

خلافت راشدہ اور حدیث

ابوبکر صدیق رضی کی خلافت کا زمانہ اگرچہ مدتاً ایک مختصر زمانہ ہے کل ڈھائی سال حکمرانی کا ان کو ملا اور وہ بھی ایسے حال میں کہ اچانک مختلف قسم کے فتنے اور فساد خود عرب میں بھی پھوٹ پڑے اور عرب سے باہر بھی ایسی تیاریاں تھیں جن کی طرف توجہ ضروری تھی، تاہم ان ہی حالات میں حدیث کے سلسلہ میں حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تین اصولی اقدامات کا کتابوں میں تذکرہ کیا جاتا ہے جس کی تفصیل یہ ہے۔

حضرت ابوبکر نے پانسو حدیثیں قلمبند کیں

جیسا کہ واقعات سے معلوم ہوتا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر اگرچہ بظاہر ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بہت زیادہ تجلد اور صبر و ثبات استقلال و استقامت کا اظہار کیا لیکن درحقیقت یہ ان کا ظاہر حال تھا ورنہ واقعہ یہ ہے کہ حضور کے بعد ابوبکر پر ان کی زندگی دوبھر ہو گئی تھی عبداللہ بن عمر اور زیاد بن حنظلہ کے حوالہ سے ابن اثیر وغیرہ نے یہ قول نقل کیا ہے کہ

کان سبب موت ابی بکر الکمد علی رسول اللہ صلی اللہ وسلم	ابوبکر کی موت کی وجہ وہ اندرونی سوز و غم تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے ان میں پیدا ہو گیا تھا۔
ج ۴ ص ۲۲۳ اسد الغابہ	

ایک ایسا جان لیوا اور جان گداز غم جو آخر موت ہی پر منتج ہوا، شاید اسی اندرونی خلش اور سوزش کی تسکین کی یہ تدبیر حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سمجھ میں آئی کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق جو معلومات ان کے دماغ میں تھے ان کو قلم بند کر کے اپنا جی بہلائیں مشاغل کے اس ہجوم اور کثرت کے باوجود جن میں خلافت کے بعد وہ گھر گئے تھے، اتنا وقت الفول

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) نے سب ہی کا تذکرہ کیا ہے یعنی جن لوگوں کا انتقال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہو گیا تھا یا جو آپ کے سامنے پیدا ہو چکے تھے لیکن کمسن اور چھوٹے تھے ۱۲

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نے نکال لیا کہ دس بیس نہیں بلکہ پانسو حدیثوں کا ایک مجموعہ جو قریب قریب موطا امام مالک کی مرفوع حدیثوں کی تعداد کے مساوی تھے[1]۔ اپنے قلم سے لکھ کر حضرت ابوبکرؓ نے تیار کرلیا۔ الذھبی نے ام المومنین صدیقہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حوالہ سے یہ فقرہ نقل کیا ہے کہ

جمع ابی الحدیث عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وکانت خمس مائۃ حدیث	جمع کیا میرے والد (ابوبکر) نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں کو اور یہ پانسو حدیثیں تھیں،

جس کے معنی یہی ہوئے کہ جس کام کو سو سال بعد حضرت امام مالک نے موطاء کی شکل میں انجام دیا، یہی کام آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ہی ایک ایسی صورت میں انجام پاچکا تھا جس سے زیادہ بہتر صورت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تدوین حدیث کے سلسلہ میں سوچی نہیں جاسکتی، جو کہتے ہیں کہ ابتداءِ اسلام میں حدیثوں کو قلم بند کرنے کی وجہ یہ تھی کہ اس زمانے میں کاغذ دستیاب نہیں ہوتا تھا، یا لکھنے والے میسر نہیں آتے تھے، جہاد وغیرہ کے مشاغل کی وجہ سے اس قسم کے علمی کام کے لئے مواقع نہیں تھے ان سارے احتمالات کا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے عملی جواب دیا جاچکا تھا حقیقت تو یہ ہے کہ کف افسوس ملنے والے آج تدوین حدیث کی عام تاریخ پڑھ کر جو کف افسوس مل رہے ہیں ان کی آرزو ایسی شکل میں پوری ہوچکی تھی جس سے بہتر شکل سوچی نہیں جاسکتی، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے پہلے دینی اور سیاسی جانشین

---

[1] موطا کے مختلف نسخے پائے جاتے ہیں جو حدیثوں کے تعداد کی کمی وبیشی کے لحاظ سے باہم مختلف ہیں، شاہ ولی اللہ نے مسوی شرح موطاء میں ابوبکر ابہری کے حوالہ سے جو قول نقل کیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ موطاء میں مسند مرفوع حدیثیں چھ سو ہیں لیکن ابن حزم کا قول شاہ صاحب ہی نے نقل کیا ہے کہ شمار کردم آنچہ در موطا ست بیں یا فتم از مسند پانصد و چند حدیث صنا مسوی شرح موطاء

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے براہ راست قلم کا لکھا ہوا حدیثوں کا یہ نسخہ حکومت کی طرف سے مسلمانوں میں اگر شائع ہو جاتا تو خیال کیجئے کہ آج پیغمبر کی ان حدیثوں کے متعلق کیا کسی شک و شبہ کی گنجائش باقی رہ سکتی تھی، الغرض آرزو کرنے والے حدیثوں کے متعلق جو کچھ آرزو اس زمانے میں کر رہے ہیں، ان کی وہی آرزو واقعہ کا قالب اختیار کر چکی تھی۔

جنہوں نے پیغمبر کے دین کے مصالح کو نہیں سمجھا ہے ان کے لئے ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ اقدام کتنا بڑا مبارک اور ضروری اقدام قرار دیا جا سکتا ہے، لیکن پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے جن مصلحتوں کے پیش نظر دین کے اس حصہ کی اشاعت میں کوشش اس پہلو پر صرف فرمائی تھی کہ عمومیت کا رنگ اس میں نہ پیدا ہو گیا ان پیغمبرانہ مصلحتوں پر پانی نہ پھر جاتا، اگر لکھنے کے بعد حضرت ابوبکر صدیق اپنی حکومت کی طرف سے عام مسلمانوں میں اس کو شائع بھی فرما دیتے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ

ع ذکر حبیب کم نہیں وصل حبیب سے

اس جذبہ کی تائید تھوڑی دیر کے لئے ان کو عقل سے مل گئی خیال آیا ہوگا کہ پیغمبر نے تو اپنی زندگی کے آخری دنوں میں بعض لوگوں کو حدیثوں کے لکھنے کی اجازت دے دی تھی پھر میں بھی اگر کچھ کہہ رہا ہوں تو اجازت کے اس دائرے سے باہر تو میرا یہ کام ہے لیکن اسی کے ساتھ اپنے اس جذباتی فیصلہ کے وقت شاید ادھر ان کا دھیان نہ گیا کہ جن لوگوں کو کتابت حدیث کی انفرادی اجازت بارگاہ نبوت سے ملی تھی ان میں کوئی بھی نہ تھا اور نہ ان میں نبی کا کوئی جانشین اور مسلمانوں کا دینی و سیاسی امیر تھا اور نہ ان کوئی ایسی ہستی تھی جس کا کام حکومت کا کام سمجھا جا سکتا تھا۔

اسی روایت میں صدیقہ کے بعض الفاظ جن کا بھی ذکر آ رہا ہے، ان سے جو معلوم ہوتا ہے کہ لکھنے کے بعد بجائے عام اشاعت کے اس نسخہ کو حضرت ابوبکر نے عائشہ صدیقہ کو رکھنے کے لئے دے دیا تھا، میں تو ان الفاظ سے یہ سمجھتا ہوں کہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پوری جذبہ سے مغلوب ہوکر اس کام کو گو ابوبکر صدیق کر گذرے تھے لیکن ظاہر ہے کہ وہ ابوبکر صدیق ہی کیوں ہوتے اور نبی کی جانشینی کے لئے ان کا انتخاب ہی کیوں ہوتا اگر اس مصلحت سے وہ قطعی طور پر خالی الذہن ہو کر اپنے اس کام کو اسی طرح بڑا کام تصور فرما لیتے جیسے اس زمانہ کے آرزو کرنے والے سوچ رہے ہیں ان کا تو یہ حال ہے کہ آج یورپ یا امریکہ میں ابوبکر صدیق کے اس نسخہ کا اگر پتہ چل جائے تو اس کو اپنی ایک بڑی کامیابی قرار دے کر شاید آسمانوں کو سر پر اٹھالیں!

لیکن یہ حال تو ان کا ہے جنہوں نے نہ پیغمبر کو دیکھا نہ پیغمبر کی صحبت سے استفادہ کا موقعہ ان کو ملا مگر جو زندگی کے ہر شعبہ میں نبی کا ثانی سمجھا جاتا تھا دیکھتے ہو ان کا کیا حال ہے ان ہی کی صاحبزادی ام المومنین عائشہ صدیقہ جن کے پاس یہ "صدیقی نسخہ" حدیثوں کا رکھوایا گیا تھا' ان ہی کی زبانی سنو! وہ کیا فرماتی ہیں اسی روایت کے آخر میں ہے۔

فبات لیلۃ ینقلب کثیرا — پھر ایک شب میں (دیکھا گیا) کہ وہ یعنی حضرت ابوبکر بہت زیادہ کروٹیں بدل رہے ہیں۔

تم تو اس پر خوش ہو کہ ابتداء اسلام ہی میں حکومت کی طرف سے نبی کے بعد ہی خود پیغمبر کے خلیفہ نے حدیثوں کا مجموعہ جمع کر لیا گویا سارے شکوک و شبہات جو آج حدیثوں کے متعلق دلوں میں پیدا ہوتے ہیں یا ہو سکتے ہیں ان کا ہمیشہ کے لئے انسداد ہو گیا تم اس لئے خوشی سے پھولے نہیں سماتے اچھل رہے ہو کہ بڑا کام ہو گیا، لیکن خود جس نے اس بڑے کام کو انجام دیا تھا وہ یہی سوچ کر کہ ایسا کیوں ہو گیا کروٹوں پہ کروٹیں بدل رہا ہے، نیند آنکھوں سے اڑ گئی ہے آخر عائشہ صدیقہ سے نہ رہا گیا باپ کی اس غیر معمولی بےچینی کو دیکھ کر اٹھ کھڑی ہوئیں سرہانے تشریف لائیں خود فرماتی ہیں کہ فغمنی (والد کی اس حالت نے مجھے غم میں مبتلا کر دیا)، اور عرض کیا کہ

اتنقلب لشکوی او لشیٔ بلغک — آپ یہ کروٹیں کیا کسی جسمانی تکلیف کی وجہ سے بدل رہے ہیں یا کوئی خبر آپ تک پہنچی ہے جسے سن کر

(باقی آئندہ)

© rasailojaraid.com